© rasailojaraid.com

اصلاح انسانیت اور اسوۂ نبوی ﷺ

تحریر: ڈاکٹر حاجی ولی محمد، ایسوسی ایٹ پروفیسر اسلامیات، خواجہ فرید گورنمنٹ کالج، رحیم یار خان

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ب زمین پر اترنے کا حکم فرمایا تو آگاہ کیا تھا کہ:

"اھبطوا منھا جمیعا فامایاتینک منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (البقرہ: ۳۸)

(تم سب زمین پر اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کے تابع ہو کر چلا ایسی لوگوں کو نہ کسی طرح کا کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ مبتلائے غم ہونگے)

اس فرمان خداوندی سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ زمین زندگی دو قسم کے خطرات کی آماجگاہ ہے۔(۱) لاعلمی کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا مستقبل جہاں اٹھنے والے ہر نئے قدم کا پتہ نہیں کہ کس ہلاکت گاہ میں پڑے اور کیسی مہیب تبا) لائے۔ دوسری طرف ماضی کا عفریت جو لحہ لحہ چھین چھین کر گزشتہ کے غار میں پھینکتا چلا جاتا ہے او ہر چھین جانے والا لحہ سینے میں حسرت کا ایک تازہ داغ چھوڑ جاتا ہے جس کی سوزش وقت ٹلنے کے ساتھ کم نہیں ہوتی بلکہ داغ پہ داغ لگتا چلا جاتا ہے اور گھاؤ بنتے چلے جاتے ہیں۔ ماضی کے کسی لمحے کو لوٹا لینا بس کی بات نہیں۔ مستقبل میں جھانک کر اٹھنے والے قدم کا انجام دیکھ لینا ممکن نہیں نتیجہ ظاہر ہے۔ ماضی حسرتوں کا مرقع غموں کی یلغار، مستقبل اندھیروں کا سمندر جہاں کسی قدم کا سیدھا پڑنا یقینی نہیں۔ قدم قدم پہ مہیب خطرات لغزشوں کے اژدھے سوچ کے عفریت ہوس کے مگر مچھ منہ کھولے بیٹھے ہیں۔ ہر طرف خوف ہی خوف ہے۔ ایسے میں یہ عقل کا پتلا کیا کرے جسے انسان کہتے ہیں جبکہ ماضی پر قدرت نہیں اور مستقبل کا ادراک نہیں گویا فطرت انسانی طلب گار ہوئی کہ مستقبل کے خطرات اور تباہی وہلاکت سے تحفظ کی خاطر علم وادراک کی روشنی ملے ماضی میں ڈھلنے والے لمحات آغوش حسرت مین جانے کے بجائے سرور ونشاط کا باب بن جائیں۔ دوسرے لفظوں میں انسانی فطرت زمینی زندگی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے نور ہدایت کی محتاج قرار پائی چنانچہ رب غفور نے انسان پر رحم فرمایا اور انبیاء علیھم السلام کے ذریعے فطرت انسانی کو ہدایت کی روشنی سے بہرہ مند فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارتے وقت ہدایت کے انعام کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ اولاد آدم پر پورا فرمادیا تاکہ اولاد آدم ہدایت خداوندی کی روشنی میں اپنی زندگی کو خوف وغم کی تباہ کاریوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بچاسکے۔ رب رحیم نے ہر علاقے اور ہر قوم میں اپنے نبی بھیجے جو نور ہدایت سے لوگوں پر زندگی کے نشانہائے راہ واضح کرتے تھے اور ان کے عقیدہ و عمل کی گمراہیوں اور تباہ کاریوں پر انہیں آگاہ کرتے تھے اور بدانجامی سے ڈراتے تھے دوسری طرف اپنے اسوۂ حسنہ سے عمل کی ایسی راہ متعین فرمادیتے تھے جو فوزوفلاح کی جیتی جاگتی تصویر ہوتی تھی بلکہ انسانی معاشروں نے بار بار یہ تجربہ کر دیکھا کہ ان کے اسوۂ حسنہ سے ہٹ کر زندگی کی کامیابی کیلئے کوئی امکان سرے سے موجود ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ جو بھی نبی آیا اس نے کامیابی کی صرف ایک ہی صورت بتائی یہ کہ اللہ کی ناراضگی سے بچو اور میری اطاعت کرو چنانچہ سورہ شعراء میں حضرت نوح علیہ السلام حضرت صالح علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام کے سلسلہ دعوت میں ایک بات سب کے ہاں مقرر کرہوئی ہے کہ:

"انی لکم رسول امین فاتقوااللہ واطیعون" (الشعراء ۱۲۵:۱۲۶)

(بے شک میں تمہارے لئے رسول ہوں اور امین ہوں پس تم اللہ کی نافرمانی سے بچو اور میری اطاعت کرو)

معلوم ہوا کہ عرصہ حیات میں ناوراباتوں سے بچتے ہوئے اسوۂ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی ہی کامیابی کی واحد ضمانت ہے۔ اس سے قدم ہٹے گا تو تباہی میں پڑے گا۔ اہل مدین کے وڈیروں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ:

"لان اتبعتم شعیباانکم اذالخاسرون" (الاعراف:۹۰)

(اگر تم نے شعیب علیہ السلام کی پیروی کی تو یقین جانو کہ تم خسارے میں پڑ گئے) اللہ تعالی نے ان کے انجام کاذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"الذین کذبوا شعیبا کان لم یغنوا فیھاالذین کذبوا شعیباًکانوا ھم الخاسرون (الاعراف:۹۲)

(جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ ایسے تباہ ہوئے گویا کبھی یہاں بسے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارے میں ہیں)

پس معلوم ہوا کہ اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر کامیابی کی کوئی راہ اور کوئی صورت موجود نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمام عملی کوتاہیوں اور اخلاقی کمزوریوں اور ناوراباتوں سے پاک ہوتی ہے۔ سوہ ھود میں حضرت شعیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ دعوت میں اس حقیقت کو اور واضح کردیا ہے فرماتے ہیں:

(وما ارید ان اخالفکم الی ماانھاکم عنہ ان ارید الا الاصلاح مااستطعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومانوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ویاقوم لا یجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل مااصاب قوم نوح او قوم ہود او قوم صالح وما قوم لوط منکم ببعید" (ہود: ۸۸)

(اور میں یہ نہیں چاہتا کہ خود وہی کام کروں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں۔ میں تو صرف اور صرف اصلاح چاہتا ہوں جس قدر میرے بس میں ہے اور اس کی توفیق بھی مجھے صرف اللہ ہی دیتا ہے ایسی پہ میرا توکل ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی اللہ تعالی کی عصمت وحفاظت میں ہوتی ہے جس بات میں وہ لوگوں کو روکتے ہیں وہ عملاً پہلے ہی اس بات سے بچے ہوتے ہیں، ان کے عمل کا معیار حیات انسانی کی اصلاح ہے اس میں وہ اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں کیونکہ استطاعت کی آخری حد یہی ہے۔ اور ان کی استطاعت توفیقِ خداوندی سے وابستہ ہے توکل اس میں پختگی، استقامت اور تسلسل کی شان پیدا کرتا ہے۔ انابت الی اللہ کا مقام اس کی طہارت و پاکیزگی کو وہ بانکپن عطا کرتا ہے جس کے بعد اسوۂ نبوی کی نزاکتیں خلاف اولی کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی ہر ادا حسین ہوتی ہے اور رب کائنات کی عین رضا ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ:

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران: ۳۱)

(کہہ دیجئیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالی تم سے محبت کریں گے)

گویا اللہ تعالی کو اپنے نبی ﷺ کی ادا اس قدر محبوب ہے کہ اس کو اپنانے والا بھی اللہ کو محبوب ہوجاتا ہے۔ اسی لئے حضرت شعیب ﷺ اپنی قوم کو اپنی نافرمانی کے انجام سے ڈرایا اور فرمایا کہ (اے میری قوم: تمہیں میری نافرمانی اس انجام تک نہ پہنچادے کہ تم بھی اسی عذاب کی گرفت میں نہ آجاؤ جو قوم نوح علیہ السلام پر یا حضرت ہود علیہ السلام کی قوم پر آیا یا جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر مسلط ہوا اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تو تم سے کچھ بھی دور نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ تمام قوموں کی تباہی کا واحد سبب یہی تھا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی پیروی سے منہ موڑ لیا تھا جبکہ اسوۂ نبوت کے سوا اور کوئی روشنی وجود میں ہی نہیں کہ جس سے انسان راہ حیات میں ایک قدم آگے بڑھ سکے۔ علم وادراک سے تہی دست عقل انسانی اس قابل نہیں کہ تنہا اس کی بصیرت ودانست پر بھروسہ کرکے راہ حیات پر گامزن ہوجائے جن قوموں نے یہ حماقت کی وہ تمام تر تباہی کے گھاٹ اتر گئیں۔

حیات انسانی کا وہ دور جو ابتدائی مراحل سے گزرتا ہوا تجربہ وترقی کے مراحل سے ہمکنار ہوا اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اولین سرے پر اللہ تعالی نے خاتم النبیین ﷺ کو مبعوث فرما کر انبیا علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ ختم فرمادیا ہے۔ زمان ومکان کی وسعتیں، قوموں کا عروج وزوال ان کے مزاج و نفسیات کا تفاوت، رنگ و نسل کے امتیازات، بودو باش کے طور وطریق، فکروخیال کی بلندو پروازیاں، ادب و ثقافت کی نیرنگیاں، رسم ورواج کے تشخصات، آب وہوا کے تغیرات اور جغرافیائی حدبندیوں کے تعصبات کے علاوہ سائنسی ترقیات وایجادات کی بوقلمونیاں، یہ سب پیش نظر رہے اور پھر دیکھیں کہ رب کائنات نے ایک ہی برگزیدہ ہستی کو اسوہ حسنہ کی ایسی صفت حمیدہ سے نوازا جو مذکورہ تمام کیفیات وامتیازات کیلئے روشنی کا واحد مینار ہے۔ جس شخص کو جب بھی اور جس حیثیت میں بھی اپنی زندگی کو ناکامیوں نامرادیوں سے بچانا اور کامیابیوں سے ہمکنار کرنا مقصود ہو اس کی واحد صورت یہی ہے کہ اپنی زندگی کو خاتم النبیین ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی سے چمکالے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی پوری زندگی میں زندگی کے ہر معاملے میں ہر چھوٹے بڑے کام میں خاتم النبیین ﷺ کی سنت کو اپنائے اور بڑے خلوص ومحبت کے ساتھ اپنائے اور "بلالومۃ لائم" اپنائے یعنی سوسائٹی کے تقاضے، ساتھیوں کا دباؤ اور برادری کے رسم و رواج اور معاشرے کی عادات کے عذر بہانے آڑے نہ آنے پائیں اور جس شخص نے تنہا عقل کی بصیرت پر بھروسہ کرتے ہوئے نبی امی ﷺ کی واقعی سنتوں کو پرانی قدریں گمان کرتے ہوئے اپنی عقل کی دانست کے زور سے ماحول کی چاہتوں کو سنت کہہ کر اپنالیا یا اس نے اسوہ نبوی ﷺ کو بے اعتنائی سے نظرانداز کردیا تو اسے بھی اسی تباہی اور بربادی کو آغوش میں جانا پڑے گا جس میں اس کے پیش رو گئے جنھوں نے اسوہ نبوی ﷺ کو ٹھکرادیا تھا اور اپنی خواہش کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے اس لئے کہ یہ راستہ ظلمتوں اور اندھیروں کا راستہ ہے عقل خود اندھیروں میں گم ہے اور روشنی سے محروم نصیب ہے کیونکہ نور نبوت کے علاوہ راہ حیات میں روشنی کی دوسری کوئی سبیل ہی نہیں۔ نبوت کا منصب ہی حیات انسانی کو روشنی عطا کرنا ہے۔ اللہ تعالی حضرت موسی علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

"قل من انزل الکتاب الذی جاءبہ موسی نورا وھدی اللناس" (الانعام: ۹۲)

(تو کہہ کس نے نازل کی وہ کتاب جو موسی علیہ السلام لے آئے جو لوگوں کیلئے ہدایت اور نور تھی)

نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور" (سورۃ ابراھیم: ۱)

(ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی حکم حضرت موسی علیہ السلام کو ان کی قوم کے بارے میں دیا، فرمایا:

"ولقدارسلنا موسی بایاتنا ان اخرج قومک من الظلمات الی النور"(سورہ ابراھیم:۵)

(اور ہم نے موسی علیہ السلام کو اپنی آیتیں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالئے)

اور فرمایا:

"وانزلنا الیکم نوراً مبیناً(سورۃنساء:۱۷۵)اور ہم نے تمہاری طرف نہایت واضح روشنی نازل فرمائی)

اورفرمایا:

"واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون(سورۃ الصف:۸)اور اللہ تعالی اپنے نور کو بہرحال پورا فرمائیں گے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی برا لگے)

گویا قرآن مجید کو بھی اللہ تعالی نے نور قرار دیا ہے اور دین حق کا نام بھی نور ہی رکھا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا:

"داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیراً(سورۃ الاحزاب:۴۶)اللہ کی طرف بلانے والے اور روشن چمکتے چراغ)

اور کافروں کے بارے میں فرمایا:

"والذین کذبوا بایاتنا صم وبکم فی الظلمات(سورۃ الانعام:۳)وہ لوگ جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلادیا وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھیروں میں ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کی بھیجی ہوئی ہدایت جو اپنی عملی صورت میں سنت نبوی کے نام سے معروف ہے یہی وہ مشعل ہے جو حیات انسانی پر خوش نصیبوں کی راہ روشن کرتی ہے اور تمام خطرات سے بچ کر کامیابی سے منزل تک رسائی کو یقینی بناتی ہے۔ اور اس سے روگردانی کا مرتکب خواہ وہ کتنا ہی دانشور بن جائے محقق و مفکر بن جائے اور جو چاہے بن جائے بہرحال اندھیروں میں بھٹکتا رہے گا اسے کبھی روشنی کی کرن نصیب نہیں ہوسکتی۔ سچ فرمایا:

"من لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور"(سورۃ النور:۴)

(جس کو اللہ روشنی عطا نہ فرمائے اسے کہیں سے کوئی روشنی نہیں مل سکتی)

اور اسی روشنی کو اللہ تعالی نے "ہدایت کے نام سے موسوم فرمایا ہے اور اندھیروں کو ضلالت کا نام دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ فرماتے ہیں:

"من یهد الله فهوا المهتد ومن یضلل فلن تجد له ولیاً مرشداً(سورة الکهف: ۱۷)

(جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے ہدایت والا وہی ہے اور جس کو وہ گمراہی میں ڈال دے تو اس کے لئے آپ کو کوئی کارساز ملے گا نہ راہنما)

رہا یہ سوال کہ یہ روشنی، یہ نور، یہ ہدایت انسان کیسے حاصل کرے تاکہ اپنی زندگی کو ہدایت نبوی ﷺ سے بہرہ مند کرکے زندگی کی ناکامیوں، نامرادیوں سے بچاسکے اور کامیابیوں، خوش بختیوں سے بہرہ نصیب ہوسکے۔ فساد اور بگاڑ مٹ جائے۔ اصلاح کی آغوش میں زندگی امن وسکون کا گہوارہ بن جائے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت نام ہے ایسے اصولوں کا، جن کو جان لینے اور عملاً اپنا لینے سے زندگی نور یزدانی سے منور ہوجاتی ہے جس کے بعد خیروشر، نفع وضرر، فلاح وخسران عدل وظلم، خوب وزشت انسان کی نگاہ میں دن اور رات کی طرح واضح ہوجاتے ہیں کالے اور سفید کی طرح ان میں تمیز پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ اصول ہدایت دو دائروں پر مشتمل ہیں۔

(۱) ایمان (۲) اور عمل صالح

عمل صالح ایمان ہی کی شاخ ہے۔ ایمان کے معنے یہ ہیں کہ ہر چیز سے پہلے یہ باور کیجئیے کہ یہ کائنات آپ سے آپ نہیں بن گئی۔ یقیناً اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ وہی اسے عدم سے وجود میں لایا ہے اور وہی اسے قائم اور سلامت رکھے ہوئے ہے۔ وہ واحد ہے کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ورنہ یہ کائنات قائم اور سلامت نہ رہ سکتی۔ لہذا اقرار کیجئے کہ "لاالہ الا اللہ" کوئی معبود نہیں کوئی رب نہیں کوئی حاجت روا نہیں کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں کوئی الہ نہیں اللہ کے سوا۔ انسان کو اس نے پیدا کیا زندگی اور موت کا نظام بنایا عقل فہم بصیرت بخشی تاکہ وہ اچھے کام کرسکے جن سے اللہ راضی ہو۔ فرمایا:

"خلق الموت والحیاة لیبلوکم ایکم احسن عملاً(سورة الملک: ۲۱)

(موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے کام کس کے ہیں)

رہی یہ بات کہ وہ کونسے کام ہیں جو اچھے کہلائیں اور کیسے کام ہیں جو اللہ کو پسند ہیں جن کے کرنے سے وہ راضی ہوتا ہے؟

اس کیلئے اس نے انبیاء ورسل بھیجے اور ان کی اتباع واطاعت کو لازم قرار دیا۔ خالی عقل اس بارے میں کام نہیں دے سکتی تھی جس کی لگام خواہش نفس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور سب کے آخر میں اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالے نے خاتم النبیین ﷺ کو بھیجا اور "لاالہ الااللہ" کے ساتھ "محمد رسول اللہ" کے اقرار و تصدیق کو جزوایمان قرار دیا اور فرمایا:

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"(سورۃ النساء:۸۰)جو رسولؐ کی اطاعت کریگا اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی ہے)

"ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فازفوزاً عظیماً(سورۃ الاحزاب:۷۱)

(اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو اس نے درحقیقت بہت ہی بڑی کامیابی پائی۔)

نیز یہ کہ انسان کی حیثیت اس دنیا میں ایک مہذب جانور کی نہی جس کا مقصد صرف اچھا کھانا پینا اچھا رہنا سہنا، مزے اڑانا اور مرجانا ہو۔ بلکہ اس دنیا میں انسان درحقیقت مقصود کائنات ہے اور اس کے چاروں طرف سامان رزق کی بھرمار اور لطف و آسائش کی بہم رسانیاں حصول مقصد کے وسائل میں بذات خود مقصد نہیں ہیں۔ یہ زندگی چند روزہ ہے انسان کی اصل منزل آخرت ہے۔ جس اللہ نے انسان کو بنایا انسان کیلئے دنیا اور دنیا کا سازوسامان پیدا کیا اور اس چھوٹی سے زندگی کیپئے وہ گوناگوں وسائل واسباب تخلیق فرمائے کہ جس کی دریافت انسان کو محو حیرت کئے دے رہی ہے اسی اللہ نے آخرت بھی بنائی ہے۔ دنیا عارضی زندگی ہے اور انسان کا اصل گھر آخرت ہے جس کا نام جنت ہے اور وہی دارالقرار ہے یعنی عارضی نہیں۔ مستقل ہے مرنے کے بعد دوبارہ اسی طرح زندہ ہونا ہے جیسے ہم دینا میں زندہ ہیں اور یہاں جو کچھ کیا ہے اس کا حساب کتاب دینا ہے۔ جان مال وقت تینوں چیزیں انسان کے پاس اللہ کی امانت ہیں قیامت کے روز ان تینوں کے بارے میں حساب کتاب ہوگا۔فرمان نبوی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تزول قدماابن آدم یوم القیامۃ حتی یسال عن خمس عن عمرہ فیما افناہ وعن شبابہ فیما ابلاہ وعن مالہ من این اکتسبہ وفیہا انفقہ وماذا عمل فیما علم"(مشکوۃ ج:۳،ص:۱۴۳۵، محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، للمکتب الاسلامی ، بیروت ۱۳۹۹ھ)

(قیامت کے روز ابن آدم کے قدم میدان سے ہٹ نہیں سکیں گے جب کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ نہیں لیا جائے گا۔ ایک اس کی عمر کے بارے میں کہ کیسے گنوائی ، ایک اس کی جوانی کے بارے میں کہ کس حال میں گزاری۔ ایک اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور ایک اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بارے میں کہ اسے خرچ کہاں کیا۔ اور ایک اس بارے میں کہ جتنا علم تھا اس کے مطابق عمل کی کیفیت کیا رہی۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت، مال اور جان یہ ایسی امانت ہے کہ اس کا حساب چکائے بغیر قیامت میں نجات ممکن نہیں اور جو اس حساب کتاب میں کامیاب رہا وہی خوش نصیب دارالقرار کا وارث ہے جس سے کہیں جانا نہیں ہوگا جیسے کہ دنیا سے Û جانا پڑا تھا۔ دنیا دارالغرور تھا یعنی دھوکہ کی جگہ اور آخرت دارالقرار ہے یعنی ہمیشہ رہنے کی جگہ۔ اس کے برعکس جس نے دنیا میں، جان، مال، وقت کی امانت کو ضائع کردیا یعنی دنیا میں اس نے ہدایت خداوندی سے منہ موڑا اور جیسے جی میں آیا اور جو عقل نے سمجھایا اور جو خواہش نے چاہا اس کے مطابق جان، مال، وقت کی امانت کو صرف کیا، دارالغرور کے دھوکے میں پھنس کر مقصد زندگی کھودیا امانت ضائع کردی۔ وہ خسارے میں رہا۔ عارضی زندگی پر متاع حیات لٹا بیٹھا، جہنم کی آگ میں اسے جلنا ہوگا ایسا شخص انتہائی بدبخت اور بدنصیب ہے:

"قد افلح من زکاھا وقدخاب من دساھا" (سورۃ الشمس:۹،۱۰)

(فلاح نصیب ہوا وہ جس نے اپنی نفس کو پاک کرلیا اور نامراد وہ جس نے اپنے نفس کو برائیوں میں آلودہ کیا)

یہ ایمان بالآخرت کا مفہوم ہے۔ اور تقدیر پر ایمان کے معنے یہ ہیں کہ انسانی تدبیر کی لگام تقدیر خداوندی کے ہاتھ میں ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ انسانی تدبیر حسب پسند یا حسب آرزو انجام پذیر ہو۔ انسانی تدبیر یوسف کی ہلاکت کے پروگرام پر بڑی کامیابی سے عمل پیرا ہوتی ہے تقدیر اسی پروگرام کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور یوسف کو ہلاکت کے بجائے تخت شاہی پر بٹھادیتی ہے۔ تدبیر بچاری انگشت بدنداں بے بس کھڑی پکارتی ہے:

"اانک لانت یوسف (سورۃ یوسف:۹) کیا واقعی تو یوسف ہے؟)

اللہ تعالی نے تقدیر کی غایت یوں بیان فرمائی ہے:

"وما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذلک علی اللہ یسیر۔ لکیلا تاسوا علیٰ مافاتکم ولا تفرحوا بماآتاکم" (سورۃ الحدید: ۲۲،۲۳)

(کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین پر نازل ہوتی ہو یا تمہاری اپنی ذات پر مگر وہ اس سے پہلے کہ ہم اسے عالم وجود میں لائیں کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور اسے اللہ کیلئے آسان ہے اور یہ اس لئے ہے کہ تاکہ تم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غم نہ کھاؤ اس پر جو تم کھو چکے اور جو خوش حالی تمہیں عطا کر رکھی ہے سا پر اتراؤ نہیں)

گویا تقدیر پر ایمان کا مفہوم درحقیقت احساس ہائے محرومی اور یاس و نومیدی کے اندھیروں سے نکال کر مومن کو امید ورجا کے روز روشن میں لے آنا ہے۔ مایوسیوں کے بھنور میں تدبیر کی ڈوبتی کشتی کو ساحل سے ہمکنار کرنا ہے۔

ایمان کے یہ چاروں اجزاء یعنی توحید، رسالت، اخرت اور تقدیر عمل صالح کا ایک ایسا مربوط نظام عطا کرتے ہیں جس سے زندگی اتنی خوبصورت اور حسن کا ایسا مرقع بن جاتی ہے کہ خاک نشینوں کے نقش پا کو چوم لینا شاہی جلال کیلئے سرمایہ فخر اور حاصل آرزو ہو جاتا ہے۔

اس نظام کو جاننے اور اپنانے کیلئے کسی فکر اور فلسفے کی حاجت پیش نہیں آتی، دل کو حرص و آز سے ہوا و ہوس سے کینہ وحسد سے بغض و نفرت سے خود غرضی ومفاد پرستی سے کبر وغرور سے اور ایسی تمام آلودگیوں سے پاک کیجئے؟ نیت صحیح اور درست کیجئے اور اسوہ نبوی ﷺ کو اخلاق و عمل کا معیار بنانے کیلئے بصد خلوص و محبت متوجہ ہوجائے یقین جانئے کہ: الدین یسر" کی تفسیر نگاہوں میں گھوم جائے گی۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"ماالایمان قال الصبر والسماحۃ" (مشکواۃ الخطیب التبریزی، للمکتب الاسلامی بیروت، ۱۳۹۹ھ، ج:۱، ص: ۲۰، ۲۱)

(ایمان کیا ہے؟ فرمایا صبر اور سخاوت)

دیکھئے: دو لفظوں میں دین وایمان کی پوری تفصیل بیان فرمادی۔ صبر کا مفہوم ہے صاحب نبوت کے آداب واحکام کو پوری دلجمعی کے ساتھ بجالانا، دینی فرائض اور مسائل سے پوری ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ عہدہ برآ ہونا، خلاف دین اور نادرا باتوں سے پوری احتیاط کے ساتھ باز رہنا اور بچتے رہنا، ناگوار امور اور غم انگیز مصائب و آلام کو نہایت تحمل، بردباری اور خندہ پیشانی سے انگیز کرجانا اور اس راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پرواہ نہ کرنا۔ سماحتہ کا مفہوم ہے۔ اپنے جان، مال، وقت کو پوری فراخ دلی، فراخ دستی اور نشاط قلبی کے ساتھ لوگوں کی خدمت میں لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی میں ارزاں کردینا اور یہ کام خالص اللہ کی رضا کی خاطر کرنا۔ اسی سے اجر کا امید وار ہونا اور لوگوں سے شکریہ واجر کے بارے میں کوئی سروکار نہ رکھنا "صبر" اور "سماحتہ" ان دو مختصر لفظوں کے معانی کی وسعت دامانی پر غور کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک بحر بیکراں ہے جس کے دامن میں زندگی کی چھوٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے چھوٹی بات بھی سمٹ آئی ہے۔ خدانخواستہ آپ سے کوئی ایسی نازیبا حرکت سرزد ہو یا کسی ناہنجار کی زشت روئی اور کمینگی پر آپ تنگ دلی یا انتقامی جذبے کا مظاہرہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یا تو صبر پر آپ کی گرفت ڈھیلی ہوگئی ہے اور یا آپ کا قدم سماحتہ کے دائرے سے باہر جا پڑا ہے۔

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ:

"ماالایمان قال اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مومن

(مشکوۃ، ج: ۱، ص: ۲۰)

(ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تیری نیکی تیرے لئے مژدہ مسرت بن جائے اور تیری برائی تجھے مبتلائے غم کرے تو بس تو مومن ہے)

حضرت عمرو بن عبسہؓ کی روایت میں سوال ایمان کی حقیقت کے بارے میں تھا اور حضرت ابوامامہؓ کی روایت میں سوال ایمان کی عملی کیفیات کے بارے میں ہے جبکہ دونوں جگہ سوال کے الفاظ ایک ہی ہیں۔ ماالایمان " لیکن فراست نبوی ﷺ نے دونوں جگہ سوال کے نفسیاتی تفاوت کو جان لیا اور اس کے مطابق جواب عنایت فرمایا، گویا حقیقت ایمانی کو اپنا لینے کے بعد مجھے کیسے معلوم ہو کہ مجھ پر واقعی ایمان کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ تو بتادیا کہ اگر اچھا کام طبیعت میں فرحت ونشاط کے اثرات پیدا کرے اور برائی کا ارتکاب طبیعت کو خوشی اور نشاط سے محروم کردے تو یہ کیفیت تمہارے لئے مومن ہونے کی دلیل ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اپنے ایمان کی فکر کیجئے اپنے اخلاق و عمل کو مزید سنواریئے۔ محنت کیجئے اور اپنے حسن سیرت کے معیار کو اور بلند کیجئے تا آنکہ صاحب نبوت ﷺ کی بتائی ہوئی ایمانی کیفیت پیدا ہوجائے اور آپ واقعی مومن بن جائیں۔

ایک دوسرے شخص کا سوال یہ تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا:

"یارسول اللہ کیف ان اعلم اذا احسنت او اذا اسات فقال النبی صلی اللہعلیہ وسلم اذا سمعت جیرانک یقولون قد احسنت واذا سمعتھم یقولون قد اسات فقد اسات"((مشکواۃ الخطیب التبریزی، للمکتب الاسلامی بیروت، ۱۳۹۹ھ، ج: ۳، ص: ۱۳۹۰ تا ۱۳۹۱)

(یارسول اللہ میں کیسے جانوں کہ اب میں نیک ہوگیا ہوں یا اب برا ہوگیا ہوں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تو اپنے ہمسایوں کو سنے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ تو اچھا بن گیا ہے تو واقعی تو اچھا ہے اور جب تو سنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ہمسائے کہہ رہے ہیں تو براہو گیا ہے تو پھر واقعی تو براہو گیا ہے) یہاں سوال ایمان کے بجائے عمل صالح سے ہے۔ ایمان کا تعلق چونکہ دل سے ہے اس لئے ایمانی اثرات و کیفیات پر محتسب خود طبیعت ہی کو قرار دیا، لیکن عمل کا تعلق تمام تر اعضاء وجوارح سے ہے جو سب کے مشاہدے میں ہیں۔ اس لئے یہاں محتسب سوسائٹی کو معاشرے کو اور اپنے ہمسائیوں کو قرار دیا۔ تاہم تربیت کی یہ دونوں کسوٹیاں نہایت آسان مؤثر اور نتیجہ خیز ہیں جب انسان واقعی اپنے ضمیر کو اپنا محتسب بنالے اور لوگوں کی رائے پر سیخ پا ہونے کے بجائے اسے اپنی اصلاح کا معیار قرار دے لے تو بڑی آسانی سے انسان سیرت واخلاق کے اعلیٰ معیار کو پاسکتا ہے۔

حضرت عقبۃ بن عامرؓ کا سوال ایک دوسرے انداز سے ہے وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا:

"ماالنجاة قال املک علیک لسانک ولیسعک بیتک وابک علی خطیئتک" (مشکوٰۃ)ج:۳،ص: ۱۳۶۰

(نجات کیا ہے؟ فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھ، تیرا گھر تیرے لئے فراخ اور وسیع قرار پاجائے اور اپنے گناہوں پر رویا کرو)

یہ تینوں امور دائرہ صبر سے تعلق رکھتے ہیں۔ سماحتہ کا دارومدار بھی درحقیقت صبر ہی پر ہے۔ صفت صبر میں جس قدر کمی آئے گی سماحتہ میں کمی واقع ہوگی صبر کی صفت جس قدر پختہ ہوگی سماحتہ کی صفت کا دامن پھیلتا جائے گا۔ زبان پر قابو ہوجانے سے زندگی کی بیشتر خوبیاں ازخود ختم ہوجاتی ہیں اور منفعتوں کا باب کھل جاتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغلی، استہزاء، تہمت، بہتان، گالی گلوچ، طعن و تشنیع اور ان کے متعلقات اور تباہ کن ثمرات سب ختم ہی کردیے جاتے ہیں۔ رواداری، خیر خواہی، انس ومحبت اخوت و یگانگت اور احترام انسانیت کا باب شروع ہوجاتا ہے۔ تیرا گھر تیرے لئے فراخ قرار پائے یعنی اپنے ہی حقوق سے استفادہ کرو۔ دوسروں کے حقوق پر ان کی عزت و آبرو پر دست درازی نہ کرو۔ اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ اس تیسری بات نے سماحتہ کی صفت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اپنی نفسیاتی اور فطری کمزوری کے پیش نظر جب اپنے گناہوں پر دھیان جائے گا تو احساس ندامت میں ڈوب جائے گا۔ رونا اور روتے رہنا طبیعت میں یہ صفت پیدا کرے گا کہ عفو خطا کی راہ میں اپنی جان، مال وقت ہر چیز لٹادے۔

حضرت معاذ بن جبل شریعت اسلامیہ کے ماہر، فقیہ، اسوہ نبوی کے امین ہیں۔ ایمان کی حقیقت علم میں ہے اور معیار عمل ہے۔ اس لئے انہیں یہ معلوم کرنے کی تمنا ہے کہ ایمانیات میں افضل کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیز ہے تاکہ عمل میں اسے ترجیح دی جائے:

"انہ سال النبی صلی اللہعلیہ وسلم عن افضل الایمان قال ان تحب للہ وتبغض للہ وتعمل لسانک فی ذکراللہ وتحب للناس ماتحب لنفسک وتکرہ لھم ما تکرہ لنفسک"(مشکواۃ)ج:۱،ص:۲۱)

(حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے ایمان کی افضل چیز کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کسی سے محبت کرے تو اللہ کیلئے کرے کسی سے بیزار ہو تواللہ کیلئے ہو۔ اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مصروف رکھے اور لوگوں کیلئے تو وہی چیز پسند کرے جو تجھے اپنی ذات کیلئے پسند ہے۔ اور جو چیز تجھے اپنی ذات کیلئے گوارا نہیں اسے لوگوں کیلئے بھی ناگوار سمجھا کرے)

حضرت معاذ کے جواب میں آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا یہ اخلاق وسیرت کا بہت اونچا معیار ہے۔ یعنی محبت وبیزاری کے نفسیاتی کیفیات کا اپنی پسند، دل کی چاہت، طبیعت کے میلان اور خود غرضی، مفاد اندیشی سے بالا اور پاک ہو کر اللہ کی رضا کے قالب میں ڈھل جانا واقعی بہت اونچا مقام ہے۔ ایسے ہی زبان کو تمام گفتارانہ چٹخاروں سے محروم کر کے اللہ کے ذکر میں لگادینا، سیرت کی پاکیزگی کو ایک نئی شان بخشتا ہے۔ تیسری بات تو بہت ہی اونچی بات ہے اور حقوق العباد کی روح ہے یعنی لوگوں کے نفع ونقصان کو ان کی خوشی اور غم کو ان کے سکھ چین کو دکھ درد کو اپنا نفع نقصان اپنا غم اور خوشی، اپنا سکھ چین اور اپنا دکھ درد قرار دے لینا، اس سے بڑھ کر ایثار کیا ہوگا اس سے بڑھ کر انسانیت کی خیر خواہی اور بھلائی کیا ہوگی۔ اس سے بڑھ کر غرض کشی اور مفاد کشی کیا ہوگی۔ انسانی برادری کے مختلف طبقات اور متضاد عناصر میں اخوت ویگانگت کیلئے اس سے بہتر حسین تدبیر کیا ہوگی۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا انداز ہی نرالا ہے وہ جب پوچھتے ہیں تو پوچھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ادھر حضور اکرم ﷺ کا جواب وہی اختصار وہی جامعیت وہی گہرائی وگیرائی لئے ہوتا ہے جو ختم نبوت کا طرۂ امتیاز ہے۔ ادھر ابوذرؓ ہیں کہ ایک کے بعد دوسرا سوال عرض کرتے ہیں دربار نبوت سے نیا جواب ارزانی ہوتا ہے اور ہر جواب اپنے دامن میں حیات انسانی کی سعادتوں اور فلاح یابیوں کو دامن میں سمیٹے ہوتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ اوصنی قال اوصیک بتقوی اللہ فانہ ازین لامرک کلہ قلت زدنی قال علیک بتلاوت القرآن وذکر اللہ عزوجل فانہ ذکر لک فی السماء ونور لک فی الارض قلت زدنی قال علیک طول الصمت فانہ مطردۃ للشیطان عون لک علی امر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینک قلت زدنی قال ایاک وکثرۃ الضحک فانه یمیت القلب ویذهب بنور الوجه قلت زدنی قال قل الحق وان کان مراقلت زدنی قال لا تخف فی اللّٰہ لومة لائم قلت زدنی قال لیحجزک عن الناس ماتعلم من نفسک"(مشکواۃ الخطیب التبریزی، للمکتب الاسلامی بیروت، ۱۳۹۹ھ، ج:۳،ص:۱۳۶۴)

(یارسول اللہ مجھے وصیت فرمائیے، فرمایا میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ کی نارضیوں سے بچنے کی اور حقیقت ہے کہ یہ چیز تیری پوری زندگی کو حسین ترین بنادے گی۔ میں نے عرض کیا کچھ اور عنایت فرمائیے۔ فرمایا کہ قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ پھر یقیناً آسمان میں تیرے تذکرے ہونگے اور زمین پر تیرے لئے یہ روشنی بن جائے گا۔ میں نے عرض کیا کچھ اور عنایت فرمائیے۔ فرمایا چپ سادھ لو: اس سے شیطان دفع ہوجائے گا اور بھاگ جائے گا۔ اور دینی امور میں یہ چیز تیرے لئے مددگار بن جائے گی۔ میں نے عرض کیا کچھ اور عنایت فرمائیے فرمایا زیادہ ہنسی سے بچے رہو، زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے اور چہرے کا نور ختم کردیتا ہے۔میں عرض کیا کچھ اور عنایت فرمائیے فرمایا: ہر حال میں حق کہو خواہ وہ کڑوا ہی ہو میں نے عرض کیا کچھ اور عنایت فرمائیے فرمایا اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا، میں نے عرض کیا کچھ اور عنایت فرمائیے۔ فرمایا لوگوں کے بارے میں دو باتیں کہنے سے اپنے آپ کو روک لے جو تو جانتا ہے کہ وہ خود تجھ میں بھی ہیں)

غور فرمائیے کس طرح چند مختصر جملوں میں ضروریات دین و آداب دین کو سمودیا اور اصلاح نفس وسیرت سازی کا کتنا بہترین جامع اور واضح اور آسان لائحہ عمل چند لفظوں میں بیان فرمادیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ ہی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"یااباذرلاعقل کالتدبیرولاورع کالکف ولاحسب کحسن الخلق(مشکواۃ ،ج:۳،ص:۱۴۰۶)

(اے ابوذر تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں اور بازرہنے کے مانند کوئی تقوی نہیں اور حسن اخلاق جیسا کوئی کردار نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ بلند کرداری کا داورمدار حسن اخلاق پر ہے اور تقوی کی بنیاد نادروا باتوں سے بازرہنا ہے۔ اور تدبیر عقل کی روح ہے۔اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ تقدیر پر ایمان کے یہ معنے نہیں ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے اس کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو اور تدبیر کو بے سود اور بے نتیجہ سمجھ کر نظرانداز کردو۔ درحقیقت تقدیر پر ایمان کا مطلب تدبیر کو اس کا صحیح مقام دینا ہے اور اسے غلط راہوں میں بھٹکنے سے بچاتے ہوئے صحیح رخ پر آگے بڑھنے کا خوگر بنانا ہے۔ ایک روایت میں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

"قال رسول اللہصلی اللہعلیہ وسلم المؤمن القوی خیر واحب الی اللہ من المؤمن الضعیف وفی کل خیر. احرص علی ما ینفعک واستعن باللہ ولا تعجز وان اصابک شئی فلا تقل لو انی فعلت کان کذا وکذا ولکن قدراللہ ماشاء فعل فان لوتفتح عمل الشیطان (صحیح مسلم)مسلم بن حجاج، مطبع ملک سراج الدین اینڈسنز، لاہور،ج:۲،ص:۳۴۶)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاقتور مومن کمزور مومن کی نسبت زیادہ بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ویسے سبھی بہتر ہیں۔ جو چیز تیرے لئے نفع مند ہے اس کے حصول کیلئے پوری دلبستگی کے ساتھ بھر پور کوشش کیجئے اللہ سے مدد مانگئے اور ہمت نہ ہاریئے۔ بایں ہمہ اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچے تو پھر یہ مت کہو کہ اگر میں نے یوں کیا ہوتا تو ایسے اور ایسے ہوجاتا، اس کے بجائے یوں کہو کہ اللہ تعالی نے ایسے ہی مقدر کیا تھا اور اس نے جو چاہا کردیا۔ کیونکہ "کاش" کہنا درحقیقت شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے)

غور کیجئے کتنی خوبی کے ساتھ مسئلہ تقدیر کا عقیدہ حل کردیا۔ ظاہر ہے کہ تدبیر کی ناکامیاں ہمارے تجربہ ومشاہدہ میں ہیں۔ کوئی صاحب عقل آدمی اس سے انکار نہیں کرسکتا، بلکہ ایسا کوئی شخص دنیا میں موجود ہی نہیں جس کو تدبیر کی ناکامی سے کبھی سابقہ نہ پڑا ہو، لیکن اس ناکامی کی صورت میں ایک کافر کا تاثر ہے اور ایک مومن کا کافر تدبیر کی ناکامی پر گھبراجاتا ہے اور اسے انجام پذیر کرنے کیلئے ناجائز اور غلط ذرائع کا سہارا لیتا ہے۔ یا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے اور یا خود کشی کرلیتا ہے۔ اور مومن تدبیر کی ناکامی پر گھبراتا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری تدبیر کے مطلوبہ نتائج سے مجھے محروم کرکے میرے رب نے مجھے اس سے بھی زیادہ بہتر دینا چاہا ہے جس کا مجھے شعور نہیں۔ لہذا میری تدبیر رائیگاں نہیں گئی۔ اس کا ثمرہ مجھے ملے گا اور میرے مطلوبہ ثمر سے بہتر ملے گا۔ چنانچہ ایک مومن تدبیر کی ناکامی پر ہمت ہارنے ،مایوسی کا شکار ہونے یا غلط اور ناجائز راہ لینے کی فکر کرنے کے بجائے ایمان بالقدر کے بل بوتے پر نئی ہمت اور نیا حوصلہ لے کر ابھرتا ہے اور پہلے سے زیادہ بہتر اور مضبوط تدبیر اختیار کرکے اللہ کے توکل پر نتائج کا امیدوار ہوتا ہے۔ جبکہ کافر ایسے موقعہ پر خود کشی کے سوا کوئی راہ نہیں۔رسول اللہ ﷺ لوگوں کو خطاب فرمارہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"یاایہاالناس لیس من شئی یقربکم الی الجنۃ ویباعدکم من النار الا قد امرتکم ولیس شئی یقربکم من النار ویباعدکم من الجنۃ الا قد نہیتکم عنہ وان روح الامین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفث فی روعی ان نفساً لن تموت حتے تستکمل رزقها الا فاتقوا الله واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصی الله فانه لایدرک ماعندالله الا بطاعته" (مشکواۃ) محمد بن عبداللہ للخطیب التبریزی ج:۳،ص: ۱۴۵۸)

(اے لوگو! کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں جنت سے قریب کرنے والی اور آگ سے دور کرنے والی جس کا حکم میں تمہیں نہیں دے چکا اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تمہیں آگ کے قریب سے جانے والی ہے اور جنت سے دور کرتی ہے جس سے تمہیں روک نہیں چکا اور روح الامین نے میرے دل میں یہ وحی کی ہے کہ کوئی شخص بھی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اپنا رزق دنیا میں پورا حاصل نہیں کرلے گا۔ تو سنو! لہذا تم اللہ کے غضب سے بچو اور طلب رزق میں اچھا طریقہ اپناؤ اور رزق آنے میں تاخیر ہوجانا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم طلب رزق میں جائز ذرائع سے تجاوز کرکے اللہ کی نافرمانیوں کی راہ پر چل نکلو۔ اور یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ اللہ کے ہاں جو انعامات ہیں وہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کے بغیر حاصل نہیں کئے جاسکتے)

غور فرمائیے اس حدیث شریف نے کس طرح تدبیر کی لگام تقدیر کے ہاتھ میں دیکر اسے راہ راست کا پابند کردیا اور غلط راہ پر جانے سے بچالیا۔ اور یہ بھی واضح کردیا کہ ناجائز تدبیر غلط راہ پر چل کر اپنا ناجائز ہونا تو ثابت کرسکتی ہے ورنہ رزق کی تاخیر کو نہ تعجیل میں بدل سکتی ہے اور نہ اس کی کمی میں اضافہ لاسکتی ہے۔ درحقیقت تدبیر اگر سنور جائے تو جان لیجئے کہ سارا عمل ہی سنور گیا لیکن اصلاح تدبر کیلئے جہاں تقدیر پر ایمان کا مضبوط ہونا ضروری ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ حرص اور لالچ کو اعتدال میں رکھا جائے کیونکہ حرص اور لالچ میں تدبیر کو غلط راستے پر ڈالتے ہیں اور عمل کو بگاڑتے ہیں۔ اور اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایثار کا جذبہ پیدا کیا جائے کیونکہ جب انسان اپنے حق پر دوسرے بھائی کے حق کو ترجیح دے گا تو اپنا حق بچانے کی خاطر دوسرے بھائی کا حق ضائع کرنا گوارا نہ کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رشوت ، غبن ، بددیانتی ، ملاوٹ ،لوٹ مار، ذخیرہ اندوزی وغیرہ حصول رزق کیلئے تدبیر کے ایسے تمام ناجائز راستے بند ہوجائیں گے۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں جب یمن بھیجا تو ان میں تاکید فرمائی کہ:

"ایاک والتنعم فان عباد الله لیسوا بالتمنعمین" (مشکواۃ) ج:۳،ص: ۱۴۴۸

(عیش پرستی سے بچے رہنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوا کرتے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عیش پرستی کی خواہش ہی حرص و آرزو کو ہوا دیتی ہے جب اسے ممنوع قرار دے دیا گیا تو گویا حرص کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ عمر بن شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصلتان من کانتا فیه کتبه الله شاکرا صابرا من نظر فی دینه الی من هو فوقه فاقتدی به ونظر فی دنیاه الی من هودونه فحمدالله علی ما فضله الله علیه کتبه الله شاکرا صابر. ومن نظر فی دینه الی من هودونه ونظر فی دنیاه الی من هوفوقه فاسف علی مافاته منه لم یکتبه الله شاکرا ولاصابرا (مشکواۃ) ج:۳، ص:۱۴۴۶

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمای کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ یہ جس شخص میں پائی جائیں گی اسے اللہ تعالیٰ صابر اور شاکر لکھ لیں گے۔ یہ کہ جو شخص اپنے دین کے معاملہ میں ایسے شخص کو دیکھے جو دین میں اس سے اونچا ہے اور خود اونچا نکلنے کی تمنا میں اس کے نقش قدم پر چلنے لگے اور یہ کہ اپنی دنیا کے معاملے میں ایسے شخص کی طرف نظر کرے جو اس سے کم درجے میں ہے پھر اس بات پر اللہ کا شکر بجا لائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کم درجے والے پر فضیلت بخشی ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ صابر و شاکر لکھ لیں گے۔ اس کے برعکس جس شخص نے اپنے دین کے معاملہ میں اس شخص کی طرف نظر دوڑائی جو اس سے دین میں کم ہے اور اپنی دنیا کے معاملے میں اس شخص کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا جو اس سے اونچا ہے تو وہ ہمیشہ اس پر حسرت و افسوس میں مبتلا رہے گا جو اس کے ہاتھ نہیں آسکی اور اس کی دسترس سے باہر ہے۔ ایسے شخص کو اللہ صابر و شاکر قرار نہیں دیتے)

اس فرمان نبوی میں حرص اور لالچ کو اعتدال میں رکھنے کا اور اخلاق و سیرت کو سنوارنے کا کردار کو بلند کرنے کا اور مایوسیوں، ناامیدیوں سے بچ کر حوصلہ و ہمت کو توانا رکھنے کا کس قدر بہترین نتیجہ خیز اور آسان تر لائحہ عمل دیا گیا ہے۔ لنگڑے، لولے اندھے اپاہج بھیک کے بہانے دکان دکان جا کر مکان مکان دستک دیکر بتاتے پھرتے ہیں کہ ہم دنیا میں تم سے کمتر ہیں عبرت نگاہ والو ہمیں دیکھو، اور شکر بجا لاؤ۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کردار و سیرت کی اصل تربیت گاہ حقوق العباد کو قرار دیا ہے۔

حضرت سلمانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ذنب لا یغفر وذنب لا یترک وذنب یغفر فاما الذنب الذی لا یغفر فالشرک بالله فاما الذنب الذی یغفر فذنب العبد بینه وبین الله عزوجل واما الذنب الذی لا یترک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فذنب العباد بعضهم لبعضا" (مجمع الزوائد) حافظ نور الدين على بن ابى بكر الهيشمى دارالكتاب بيروت لبنان، ۱۹۶۷ء ،ج: ۱۰ ،ص: ۳۴۸

(گناہ تین قسم کے ہیں ایک گناہ تووہ ہے جو کبھی نہیں بخشا جائے گا اور ایک گناہ وہ ہے جو چھوڑا نہیں جائے گا- اور ایک گناہ وہ ہے جو بخش دیا جائے گا- وہ گناہ جو کبھی نہیں بخشا جائے گا وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور جو گناہ کہ بخش دیا جائے گا- یہ وہ گناہ ہے جو اللہ تعالی اور بندوں کے مابین ہے (حقوق اللہ) اور وہ گناہ جو چھوڑا نہیں جائے گا وہ گناہ ہے جو اللہ تعالی اور بندوں نے باہم ایک دوسرے پر ظلم کیا ہو گا) گویا حقوق اللہ کی بخشش کی امید کی جاسکتی ہے لیکن بندے کا حق معاف نہیں ہوسکتا وہ بہر صورت حق والے کو دلایا جائے گا- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک روز فرمایا

"اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فينا من لادرهم له ولا متاع فقال ان الفلس من امتى من ياتى يوم القيامة بصلوة وصيام وزكواة وياتى قد شتم هذا وتذف هذا واكل مال هذا وسفک دم هذا وضرب هذا فيعطى هذا من حسنا ته وهذا من حسناته فان فنيت حسناته قبل ان يقضى ماعليه اخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح فى النار" (مشكواة) ج: ۳ ،ص: ۱۴۱۸

(کیا تم جانتے ہو مفلس کیا ہوتا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہمارے ہاں مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس پیسہ پائی نہ ہو اور سامان زندگی سے محروم ہو، تو آپ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس شخص وہ ہے جو قیامت کے روز ایسی حال میں آئے کہ اس کے پاس نمازیں بھی ہیں روزے بھی ہیں زکواۃ وصداقت بھی ہیں ادھر حال یہ ہے کہ فلاں کو اس نے گالی بھی دی تھی اور اس پر تہمت لگائی تھی اور اس کا مال کھایا تھا اور اس کا خون بہایا تھا اور اس کی پٹائی کی تھی لہذا اس کو اس کی اتنی نیکیاں دے دی جائیں اور اس کو اتنی پھر اگر اسی طرح نیکیاں تقسیم ہوتے ہوتے ختم ہوجائیں اور حقداروں کے حق نمٹائے جانے ابھی باقی ہیں تو پھر لوگوں کے گناہ لے لے کر اس کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے پھر اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا-)

غور فرمایئے جب حقوق العباد پر اتنے سخت پہرے بٹھادیئے گئے تو کردار سازی اور اصلاح سیرت کا کام کس قدر آسان بنادیا گیا اور اگر ہمارے ہاں اصلاح سیرت میں کوئی پیش رفت نہیں ہورہی اور کردار سازی میں اٹھایا جانے والا ہمارا ہر قدم پیچھے پڑتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تغیرات زمانہ کی وجہ سے اسوہ نبوی ﷺ کو ہوبہو اپناتے ہوئے ترقی کی راہ پر گامزن ہونا دشوار ہو کے رہ گیا ہے بلکہ اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واحد سبب یہ ہے کہ ہمیں اپنی غلط روش اجتماعی ہو یا انفرادی اتنی محبوب اور پسندیدہ ہے کہ ہمیں اس سے دستبردار ہونا گوارا نہیں ہے لہذا ہمیں اسوہ نبی ﷺ کی باتیں ہمیں پسند ہیں لیکن اس پر عمل کیلئے طبیعت حوصلہ نہیں ہو پاتی۔ ہمارے اس منافقانہ طرز عمل کو دیکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ خدانخواستہ ہم اس حدیث شریف کا مصداق بن کے نہ رہ جائیں جو حضرت عمر فاروقؓ نے حضور نبی کریم ﷺ سے بایں الفاظ روایت فرمائی ہے:

"قال انما اخاف علی هذه الامة کل منافق یتکلم وبالحکمة ویعمل بالجور" (مشکواة) ج:۲،ص:۱۳۶۶

(فرمایا اس امت کے بارے میں ڈرتا ہوں میں ہر ایسے منافق سے جس کی باتیں بڑی حکیمانہ ہوں گی اور اس کا عمل ظالمانہ ہوگا)

اگر ہم خوش فہمی کی رنگین فضاؤں سے نکل کر حقیقت کے فطری ماحول میں آجائیں تو ہم یہ باور کرنے پر مجبور ہونگے کہ ہماری یہ تمام کانفرنسیں اور فنکشن وغیرہ ہماری جور وجفا کی روشن کے ساتھ ساتھ کہیں یہ وہی حکیمانہ باتیں تو نہیں جن کی طرف فرمان نبوی ﷺ کا اشارہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا ہے تو پھر اندیشہ ہے کہ وہ وعید ہم پر لاگو نہ ہو جائے جس کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے اسلاف کی خوبیوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

"ثم انها تخلف من بعدهم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاهدهم بیده فهومؤمن ومن جاهدهم بلسانه فهوا مؤمن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان حبة خردل" (مشکواة) ج:۱،ص:۵۵

(اس کے بعد پھر ایسا ہوگا کہ نااہل لوگ ان کے بعد ان کی جگہ لیں گے وہ ایسی باتیں کریں گے جن پر خود عمل نہیں کریں گے اور جن باتوں پر وہ عمل کر رہے ہونگے وہ ایسی باتیں ہونگی جن کے کرنے کا انہیں حکم نہیں دیا گیا ہوگا، لہذا جو شخص ایسے لوگوں کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور اتنا بھی نہ کرے تو اس سے آگے رائی کے دانے جتنا ایمان بھی نہیں ہے)

اصل جہاد ہاتھ ہی کا جہاد ہے زبان اور دل سے جہاد کا مطلب استطاعت کی کمزوری کی رعایت دینا ہے کیونکہ اسوہ نبی ﷺ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ان ارید الا الاصلاح مااستطعت" (سورۃھود: ۸۸)

استطاعت نبوی ﷺ تو طاقت کا ایک پہاڑ ہے لیکن اہل ایمان کی استطاعت ظاہر ہے اس درجہ کی نہیں ہو سکتی پھر ان میں ہمت وارادہ کے کمزور افراد بھی ہوتے ہیں اور ماحول پر بھی بہت کچھ منحصر ہے کبھی نارمل ہوگا اور کبھی انتہائی ناسازگار اس لئے اہل ایمان کو یہ رعایت دی گئی کہ عمل چور یا تونیوں کے خلاف اگر کسی مجبوری سے ہاتھ سے جہاد کرنا ممکن نہ رہے تو زبان سے اسے وعظ نصیحت، تنبیہ اور ملامت کرو اور اگر اس کا موقعہ بھی نہ ہو تو اسے لوگوں کے کرتوتوں کو دل میں برا سمجھو اور نفرت کرو یہ دل کا جہاد ہے اور جہاد کا یہ ایسا شعبہ ہے جو کبھی کسی عذر کی زد میں نہیں آسکتا اسی لئے فرمایا کہ اس سے آگے ایمان رائی کے دانہ جتنا بھی نہیں ہے:

"ان ارید الا الاصلاح مااستطعت" (سورۃھود: ۸۸)

(میں تو سوا اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا جس قدر بھی مجھ سے ہو سکے)

وماتوفیقی الا باللہ

© rasailojaraid.com